بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شبِ دیجور کا خاتمہ

سنسمہٗ علی الخرطوم ـــ الآیۃ

ہم اس کے ناک پر داغ لگاتے ہیں۔

۵ جولائی کی رات کو پاکستان کی تاریخ کا بدترین اور شرمناک دور ختم ہوگیا، اور صبح جب سورج طلوع ہو رہا تھا تو پاکستان کی سسکتی ہوئی انسانیت نے دیکھا کہ بدترین فاشیت اور آمریت کا سورج غروب ہو چکا ہے۔ ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ ــ یہ بحران و ابتلاء کا، عذاب و سزا کا اور مکافاتِ عمل کا دور تھا۔ اعمالکم عمالکم (تمہارے اعمال تمہارے عمّال کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔) قوم مجموعی طور پر خداوندِ قدوس سے کئے گئے عہد و پیمان کو تیس سال تک توڑتی رہی، نتیجتاً خدا نے ایسے لوگوں کو مسلط کر دیا جو سورۂ قلم کی ان آیات کے حرف بحرف مصداق تھے۔ اور جن کی اطاعت سے خدا نے چودہ سو سال پہلے بھی ان الفاظ میں سختی سے منع فرمایا تھا:

ولا تطع کل حلاف مھین ○ ھمازٍ مشاءٍ بنمیم ○ مناع للخیر معتد اثیم،
عتلٍّ بعد ذلک زنیم ○ ان کان ذا مال و بنین اذا تتلی علیہ آیاتنا قال
اساطیر الاولین ـــ پھر آگے ایسے لوگوں کا انجام ـــ؟
فرمایا ـــ سنسمہٗ علی الخرطوم [1]۔

یہ ایک عجیب گھٹن کا زمانہ تھا، پوری قوم اضطراب بے چینی اور ایک ڈراؤنے خواب میں مبتلا رہی، کسی کی بھی جان و مال، عزت و عصمت، آبرو اور شرافت، محفوظ نہ رہ سکی۔ جوع اور خوف کی سیاہ چادر نے ظالم حکام کے ہاتھوں پورے ملک کو لپیٹ لیا۔ بھٹو کا عہدِ آمریت آمریت کے تجربوں میں سب سے زیادہ افسوسناک اور شرمناک

---

[1] اور ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جو بڑی قسمیں کھاتا ہے، ذلیل، طعنہ باز، چغلخور بھی ہے۔ خیر اور بھلائی سے روکنے والا ظالم اور بدکار سرکش بھی ہے اور اس کے علاوہ بد اصل بھی ہے اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد، (قوت و اقتدار) والا ہے۔ جب اسکو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو رجعت پسندوں کی باتیں ہیں۔ آپ دیکھیں عنقریب ہم اس کے ناک پر داغ لگاتے ہیں۔

تجربہ تھا، آزادیٔ رائے سلب، شہری حقوق پائمال، عزت و شرافت سربازار نیلام، دینی اقدار مٹانے کے مساعی منبر و محراب کی تالہ بندی، مساجد اور مدارس کی بے حرمتی، جان و مال کی غصب و نہب، جمہوریت کا قلع قمع متضاد منافقانہ نعروں کا غلغلہ اور پُرفریب سازشوں کا دور دورہ، غرض دینی اخلاقی، معاشرتی، معاشی، تعلیمی، جمہوری لحاظ سے کون سا میدان تھا جسے تہس نہس کرنے کی بھرپور کوشش نہیں کی گئی اور یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوا جس پہ ڈکٹیٹرانہ فاشیت کا ایک جنون سوار رہا، جس نے اپنی ایک ذات میں ساری قوتیں مرتکز کر دی تھیں اور جو اللہ کی دی ہوئی اس وسیع سلطنت کو اپنے ٹوڈی آباء و اجداد کی ایک جاگیر سمجھ بیٹھا تھا، اس منصب تک پہنچنے کیلئے اس نے لاکھوں مسلمانوں کی لاشوں پر تعمیر کی گئی سلطنت کو دولخت کر دیا اور اس پر براجمان رہنے کے نشے وہ خیبر سے کراچی تک لوگوں کو رلانا اور خون کی موجیں ہمالیہ کی چٹانوں سے ٹکرانا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ بقیہ ملک کے بخرے ہو جائیں، لاکھوں افراد کٹ جائیں مگر کرسی مضبوط رہے۔

مگر وہ جو اپنے آپ کو تاریخ کا ایک ذہین طالب العلم کہنے کا جھوٹا دعویٰ کرتا تھا، قوموں کی تاریخ سے بالکل جاہل اور مکافاتِ عمل اور محاسبہ کے قوانینِ فطرت سے بے خبر نکلا - اس کے سامنے یہ حقیقت نہیں تھی کہ — ان ربك لبالمرصاد ۔ حکومتیں کفر سے چل جاتی ہیں مگر ظلم و جبر سے ہرگز نہیں۔ ورنہ ظلم و تشدد کا وہ کون سا حربہ تھا جو اس عرصہ میں اختیار نہیں کیا گیا۔ مگر اس کے مکر و کید کی ہر تدبیر اس کے سلسلہ زوال کی ایک کڑی بن گئی، اور آج وہ تاریخ کا ایک عبرتناک سبق بن گیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار - ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلبٌ او القی السمع وھو شھید۔

اس آمر اور اسکی آمریت کے خلاف ۷ مارچ سے ۴ جون تک جو تحریک چلی وہ تاریخ کی ایک لامثال ہمہ گیر تحریک تھی جس نے نہ صرف آمریت کے تابوت کو لحد میں اتار دیا، بلکہ اس نے قومی سطح پر بھی ہمیں وہ کچھ دیا جس سے حال اور مستقبل کے سیاسی رہنماؤں، جماعتوں اور دانشوروں کو سبق لینا ہوگا۔

بیشک یہ تحریک آمریت اور فرعونیت کے خلاف تھی، یہ جمہوری اقدار اور شخصی حقوق کی بحالی اور عدل و انصاف کی قدروں کے تحفظ کا معرکہ تھا اور بلاریب یہ ملک کی بقاء اور سالمیت کی جنگ بھی تھی اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ پاکستان کو ختم کرنے کی سازشیں ہو رہی تھیں، اقتصادی نظام اور معاشرتی زندگی کو درہم برہم کیا جا رہا تھا، لیکن تحریک کی ہمہ گیری اور وسعتوں کا محرک صرف یہی کچھ نہیں تھا بلکہ تحریک میں یہ فدائیانہ جوش اور ولولہ اور یہ مومنانہ ایثار اور بے مثال قربانی صرف ایک بات سے پیدا ہوئی کہ یہ جنگ اسلام کے نام پر لڑی گئی اس تحریک کی بنیادی عامل اور محرک اسلامی نظام اور شریعتِ مصطفوی علی صاحبہا الف الف

سلام وتحیۃ تھا، یہی وہ جذبہ تھا جو قیام پاکستان کے لئے بے نظیر قربانیوں کا باعث بنا، اب جب نعرۂ لاالٰہ الااللہ سے گریز اور غداری کا سلسلہ فراق و ہجر کی شب دیجور کی طرح دراز ہوگیا تو اس اجتماعی عہد شکنی اور نقض میثاق کا وبال بھی ذوالفقار علی بھٹو کی شکل میں سامنے آیا۔ پھر جب رحمت ایزدی نے اس قوم کی بے کسی اور مظلومیت پر رحم کھایا تو پوری قوم متحد و یک جان ہوکر ایسے مطلوب و مقصود — اسلامی نظام — کے لئے سربکف ہوکر میدان میں ایک بار پھر کود پڑی، اور عہد شکنیوں اور تغافل شعاریوں کا کفارہ خون سے ادا کر دیا گیا، علماء کرام مشائخ عظام، سیاسی زعماء، وکلاء، طلباء عوام غرض کونسا طبقہ تھا جس نے ان تین چار ماہ میں حمیت اسلامی کا شاندار مظاہرہ نہیں کیا، جانیں قربان ہوئیں، قید و بند کو بخوشی گوارا کیا گیا، زندان کی آہنی سلاخوں اور سلاسل کو چوما گیا، لوگ گولیوں کے سینہ سپر اور گاڑیوں کے نیچے کٹ کر رہ گئے، آنسو گیس اور لاٹھیوں کو خندہ پیشانی سے لبیک کہا گیا، کاروبار اور تجارت معطل کر دئے گئے، مسجد و محراب کی پرسکون نورانی زندگی پر قید و بند کی تاریکیوں کو ترجیح دی گئی، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و خطابت کی بساطیں بدر و احد کی روایات کو تازہ کرنے کیلئے لپیٹ دی گئیں، نابینا لولے لنگڑوں کمزور اور ناتوان ضعفاء اور بوڑھوں نے بھی سبقت کی بازی لینی چاہی، غیور اور جسور خواتین نے بھی غیرت اسلامی کے اظہار میں کوئی کسر نہ اٹھائی، گویا ایک ایسا مظاہرہ ہوا اور پاکستانی قوم نے وہ کچھ کر دکھایا جسکی مثال سے ہماری تاریخ کی کئی صدیاں خالی ہیں۔

الغرض اس تحریک سے اسلام ایک ایسی آہنی قوت کے طور پر ابھرا کہ اس نے اپنی سخت جانی پر مہر ثبت کر دی اور لادینی عناصر کے عزائم خاک میں مل گئے۔

یہ تحریک اسلام سے ہماری جذباتی وابستگی کے فروغ کا مظہر تھی اور اس تحریک نے اسلامی نظام سے وابستگی کے جذبہ کو ایسا زندۂ جاوید بنا دیا کہ اسلام کے ساتھ اپنے "تلگینی نعرہ" کے ذریعہ مذاق کرنے والے بھٹو نے بھی شراب اور جوا کی ممانعت کی صورت میں اپنی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کی کوشش کی گو اس کا یہ سہارا بھی درحقیقت کلمۃ حق ارید بہ الباطل - کا مصداق اور اسلام کا منہ چڑانے کے مترادف تھا۔ مگر پھر بھی اسلام کے لئے اٹھنے والے طوفان کے جوش اور گہرائیوں کا اندازہ اُسے بھی ہوگیا، اور تحریک کا یہی جذبہ تھا جسے فوجی انقلاب کے سربراہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق صاحب نے پہلی تقریر میں خراج تحسین پیش کیا۔ اور لگی لپٹی کے بغیر مؤمنانہ انداز میں اعتراف کیا کہ پاکستان کی بقاء اسلامی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔

اس تحریک کا یہی ایک بنیادی اور نمایاں ترین سبق ہے جسے پاکستان کی سیاست سے دلچسپی رکھنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہئے اور نئے نئے ازموں اور نظاموں سے اس ملک کو

مزید تجربہ گاہ بنانے کی عملی یا فکری کوششیں ترک کردینی چاہئیں، اسلامی نظام کے لئے عام طبقات کی ذاتی اور عملی زندگی میں بھی کچھ نہ کچھ تبدیلی لازمی ہے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے زمین کی تیاری بھی بہت ضروری ہے، ہر شخص کو اپنی ذہانت وامانت احساس فرض اور مشاغل شب و روز کا محاسبہ اور موازنہ کرنا چاہیئے۔ معاشرہ کی تطہیر، اصلاح وصلاح۔ منکرات کے استیصال کیلئے بھی جماعتی تحریکیں چلنی چاہئیں، ماضی کے بھیانک تجربات سے سبق اور روشن مستقبل کی طرف بڑھنے کی تیاری بہت تیز ہونی چاہیئے، اصل مقصد ابھی حاصل نہیں ہوا، مقصد کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ نصرت غیبی سے ہٹ گئی ہے، سفر آسان ہوگیا ہے۔ مگر منزل تک پہنچنے کے لئے بڑی بیداری، **تیقظ**، بصیرت، اخلاص وللہیت، ایثار و قربانی اور دشمن کی چالوں سے بچنے کی شدید ضرورت ہے۔ ابھی اتحاد و اتفاق کے نتیجہ میں حاصل کئے گئے برکات کو نتائج سے ہمکنار ہونا ہے۔ اس راہ میں معمولی لغزش اور خود غرضی، تخرب و انتشار کا ادنیٰ شائبہ بھی کتنا ہلاکت آفرین ہے؟ قوم کے زعماء اور قومی اتحاد کے زیرک رہنماؤں سے زیادہ یہ حقیقت کون جانتا ہے۔

۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو نئے انقلاب کی مختصر خبر نے قوم کو سارا دن اضطراب اور بے چینی میں مبتلا رکھا، مگر شکوک و شبہات اور خیالات کے بادل ۵ بجے شام بری افواج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق کی تقریر سے چھٹ گئے، یہ تقریر مؤمنانہ جذبات کی آئینہ دار تھی، قوم نے تقریر سن کر سکھ کا سانس لیا، اس لئے کہ مارشل لاء کا نفاذ خود بقول جنرل ضیاء الحق صاحب کوئی مستحسن اقدام نہیں۔ مارشل لاء کا وقتی جواز ایک ہی تھا کہ فوجی حکومت قوم کو اس دلدل سے نکالدے جو مذاکرات کی ناکامی اور تعطل کی صورت میں اور بھی شدید اور مہلک ثابت ہوسکتا تھا۔ اور یہاں علی الاعلان اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ مذاکرات سے مسلسل گریز پھر طویل تاخیری حربے اور بالآخر اسکی ناکامی کے ذمہ دار سارے سیاستدان ہرگز نہیں بلکہ صرف اور صرف ایک ہی شخص تھا جو بے اصولی کی سیاست کو اپنی سیاست کی بنیاد کہتا رہا۔ یہ بھٹو کی ہٹ دھرمی، دفع الوقتی اور لمحات اقتدار کو طول دینے کے سوا کچھ نہ تھا، اتحاد کی بیدار مغز اور مخلص ٹیم نے آخر تک سعی کی کہ قوم غیر یقینی کیفیت سے نکل جائے اور آنے والی عظیم تباہی تک نوبت نہ پہنچے، پھر قومی اتحاد کے اولوالعزم سربراہ مولانا مفتی محمود صاحب کے تحمل و تدبر علمی تبحر، سیاسی و دینی بصیرت، حوصلہ اور صبر و ثبات نے تو دنیا کو ثابت کر دکھایا کہ سیاست کے داؤ پیچ کو سمجھنا آکسفورڈ اور کیمبرج کی جاگیر نہیں، دیوبند کے بوریہ نشین اور مدارس عربیہ کے چٹائیوں پر پڑھنے والے فقیر بے نوا ان گتھیوں کو سلجھانے میں کہیں زیادہ اہلیت اور مہارت رکھتے ہیں ان کی سیاست کی بنیاد میکیاولی

کی سیاست نہیں حضور نبی اکرمؐ کی سیاست ہے جسکی بنیاد — لا یخدع ولا یخدع — ہے یعنی جو نہ دھوکہ کھائیں اور نہ دھوکہ دیں، علماء حق نے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اپنی قائدانہ صلاحیتیں منوائی ہیں، قربانی کے میدان میں وہ ہمیشہ صف اوّل میں رہے ہے، موجودہ تحریک کے دوران بھی لوگوں نے دیکھ لیا کہ علماء حق اور ان سے وابستہ دیندار متشرع لوگ ہر میدان پر غالب رہے اور جیلوں کی کیفیت تو خانقاہوں مدرسوں اور تعلیم و تبلیغ کے مراکز کی بن گئی تھی، آنے والا مؤرخ قوم کے دیگر طبقوں کے ساتھ ساتھ علماء، مشائخ، طلباء مدارس عربیہ، حفاظ کرام قرآء، اساتذہ اور معلمین دین کی ان خدمات کو فراموش نہیں کر سکے گا۔

—— بہرنقدیر جناب جنرل ضیاء الحق صاحب نے اپنی پہلی تقریر میں اکتوبر میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات اور اسلامی نظام کی ضرورت کا اعتراف کر کے مارشل لا کے لئے وقتی اور عارضی جواز مہیا کر دیا ان کے بعد کے اقدامات بالخصوص قطع ید (ہاتھ کاٹنا) وغیرہ کے احکامات اور اسلام سے اپنی گہری وابستگی کے مظاہروں نے قوم کے دل اور بھی موہ لیئے، اب ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنرل صاحب موصوف کو توفیق دے کہ وہ اپنے وعدوں کو نبھائیں اور بہت جلد ایسے خیالات پیدا کریں کہ یہ ملک اور قوم حقیقی معنوں میں منزل مقصود اسلامی نظام اور نظام مصطفیٰ سے ہمکنار ہو سکے۔ ہم ایک ایسے موڑ پر آپہنچے ہیں جہاں سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ ووٹ کی عصمت اور تقدس اور قدر و قیمت اب قوم کے ہر فرد کو محسوس ہونی چاہئے، خداوند قدوس پوری قوم کو توفیق دے کہ آنے والے انتخابات میں اپنی رائے کو مؤمنانہ عزم کے ساتھ شریعت محمدیہ کے دائمی غلبہ و نفاذ کا ذریعہ بنا سکے اور ملک و ملت آئندہ ان کے انقلابات و اضطرابات سے محفوظ ہو۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

وفیات

● دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کی مسند برصغیر کے علم و فضل کی بلند ترین مسند ہے۔ اس پر ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے علمی، دینی اور روحانی ہر لحاظ سے جامع شخصیتیں فائز فرمائیں۔ حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بعد حضرت علامہ مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف پڑھاتے رہے، ان کے وصال کے بعد یہ سعادت حضرت مولانا شریف الحسن صاحب مرحوم کے ذمہ آئی انہوں نے اپنے دیگر اہم علمی مشاغل چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر لبیک کہا اور آخر وقت تک درس بخاری کی عظیم روایات کو برقرار رکھا، اب پچھلے ۵ رجون کو یکایک حرکت قلب بند ہونے سے ان کا وصال ہو گیا، اور دارالعلوم دیوبند کی یہ مقدس مسند